

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اشارات

کئی سال سے مسلسل یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہر تقریر عید کے موقع پر اخبارات اور رسائل کے ذریعہ سے بھی اور اشتہاروں اور پمفلٹوں کی صورت میں بھی قرآنی کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان اٹھایا جاتا ہے اور ہزاروں بندگانِ خدا کے دل میں یہ دوسوہ ٹالا جاتا ہے کہ یہ کوئی دینی حکم نہیں ہے بلکہ ایک غلط اور نقصان دہ رسم ہے جو ملاؤں نے ایجاد کر لی ہے۔ اس دوسوہ اندازی کے خلاف قریب قریب ہر سال ہی علماء کی طرف سے مسئلے کی پوری وضاحت کر دی جاتی ہے، قرآنی کے ایک حکم شرعی ہونے اور مسنون اور واجب ہونے کے دلائل دیتے جاتے ہیں، اور مخالفین کے استدلال کی کمزوریاں کھول کر رکھ دی جاتی ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد دوسرے سال پھر دیکھا جاتا ہے کہ وہی لگی بندھی باتیں اسی طرح دہرائی جا رہی ہیں، گویا نہ کسی نے قرآنی کے مشروع ہونے کا کوئی ثبوت دیا اور نہ اس کے خلاف دلیلوں کی کوئی کمزوری واضح کی۔

معمول کے مطابق یہی ڈراما پھلی بقر عید کے موقع پر بھی دیکھا گیا۔ بلکہ اس مرتبہ تو ایک قدم اور آگے بڑھا کر حکومت کو بے تکلف یہ مشورہ دے دیا گیا ہے کہ وہ قرآنی کو از روئے قانون محدود کرنے کی کوشش کرے۔

ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جو ابھی چند سال پہلے تک متحدہ ہندوستان کا ایک حصہ تھا۔ ہماری سرحد کے اُس پار ہمارے کروڑوں دینی بھائی اب بھی سابق متحدہ ہندوستان کے اُس حصے میں موجود ہیں جس سے ہم الگ ہوئے تھے۔ ان کو آج بھی اسی قوم سے سابقہ

دہ پیش ہے جس سے کبھی ہم کو درپیش تھا، بلکہ وہ آج تقسیم سے قبل کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ کمزوری اور مغلوبی کی حالت میں مبتلا ہیں۔ اُن پر جس قوم کو غلبہ حاصل ہے وہ ساہا سال سے گائے کی قربانی پر ہمارے ساتھ سرٹھپول کرتی رہی تھی، اور تقسیم کے بعد جب اسے مسلمانوں پر پورا قابو حاصل ہوا تو اس نے سب سے پہلے ان کو اسی حق سے محروم کیا۔ اب یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ پاکستان جو ہندو تہذیب و تمدن کے تسلط سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو بچانے کے لیے بنا تھا، وہی آگے بڑھ کر ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ رہنمائی دے کہ مہاراج گائے کی قربانی کیسی، آپ تو ہر قسم کی قربانی از روٹے قانون بند کر سکتے ہیں۔ یہ چیز سرے سے شعائر اسلام میں داخل ہی نہیں ہے کہ اسے دک دیتے پر آپ کو کسی مذہبی تعصب کا الزام دیا جاسکے۔ حق بجانب وہ مسلمان نہیں ہے جو اسے اپنا مذہبی حق کہہ کر اس پر اصرار کرتا ہے، بلکہ وہ ہندو ہے جو اس غیر مذہبی رسم سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمیں تو پاکستان میں اس جاہل مسلم اکثریت سے سابقہ ہے، اس لیے یہاں ہم برہنہ احتیاط تدبیر سے محدود کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ کو تو کسی کا ڈر نہیں ہے۔ آپ بیک قلم اسے مسدود فرمادیں۔ اس معاملے میں شریعت اسلام مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہوگی!

کس قدر جلدی بھولے ہیں ہم اس حالت کو جس سے خدانے ہمیں نکالا اور جس میں ہمارے کروڑوں بھائی اب بھی مبتلا ہیں۔ شاید برطانوی ہند میں ہندوؤں سے ہماری کشمکش صرف اس لیے تھی کہ اپنی تہذیب کا جھنکا دوسروں سے کرانے کے بجائے ہم خود اسے حلال کرنا چاہتے تھے۔

مسلمانوں میں اختلافات کی پہلے ہی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ تفرقوں کی ماری ہوئی قوم فی الواقع رحم کی مستحق تھی۔ کسی کے دل میں اس کے لیے خیر خواہی کا جذبہ موجود ہوتا تو وہ یہ سوچتا کہ اس کے اختلافات میں اتفاق کی کوئی ماہ دریافت کرے۔ لیکن یہاں حال یہ ہے کہ جو لوگ خیر خواہی کے ارادے یا دعوے سے اُٹھتے ہیں وہ ان چیزوں میں بھی اختلاف کی راہیں نکال رہے ہیں جن میں خوش قسمتی سے

مسلمانوں کے درمیان ابتدا سے آج تک اتفاق موجود ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک دین کی اصل خدمت اور امت کی صحیح خیر خواہی یہ ہے کہ متفق علیہ مسائل کو بھی کسی نہ کسی طرح اختلافی بنا دیا جائے اور کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی جائے جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ سب مسلمان اس میں متفق ہیں۔ قرآنی کا مسئلہ ایسے ہی متفق علیہ مسائل میں سے ہے۔ پہلی صدی ہجری کے آغاز سے آج تک مسلمان اس پر متفق رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی پوری پورے چودہ صدیوں میں آج تک اس کے مشروع اور مسنون ہونے کے بارے میں اختلاف نہیں پایا گیا ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ اور اہل حدیث متفق ہیں۔ اس میں شیعہ اور سنی متفق ہیں۔ اس میں قدیم زمانے کے مجتہدین بھی متفق تھے اور آج کے سب فرقے بھی متفق ہیں۔ اب یہ تفرقہ و اختلاف کا شیطانی فوق نہیں تو اور کیا ہے کہ کوئی شخص ایک نرالی بات لیکراٹھے اور اس متفق علیہ اسلامی طریقے کے متعلق بیچارے عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرے کہ یہ تو سرے سے کوئی اسلامی طریقہ ہی نہیں ہے۔

پھر یہ اختلاف بھی کسی معمولی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک بہت بڑی فتنہ انگیز بنیاد پر اٹھایا گیا ہے۔ یعنی سوال یہ چھیڑا گیا ہے کہ یہ بقرعہ کی قرآنی آخر تم کس سند (AUTHORITY) پر کرتے ہو؟ قرآن میں تو اس کا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوگا کہ اسلام میں سند صرف ایک قرآن ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کوئی سند نہیں ہے۔ حالانکہ جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے، اسی نے اپنا رسوا بھی مبعوث کیا تھا۔ اس کا رسول اسی طرح ایک اتھارٹی ہے جس طرح اس کی کتاب۔ اس کے رسول کی اتھارٹی کسی طرح بھی اس کی کتاب کی اتھارٹی سے کم نہیں ہے، نہ وہ کتاب کے ساتھ کوئی ضمنی حیثیت رکھتی ہے، نہ اس کے ذریعے سے دینے ہوئے کسی حکم کے لیے قرآن کی توثیق کسی درجے میں بھی ضروری ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ قرآن جس کی سند پر کلام اللہ مانا گیا ہے وہ بھی رسول ہی کی سند ہے۔ اگر رسول نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ یہ قرآن خدا نے اس پر نازل کیا ہے تو ہمارے پاس نہ یہ جاننے کا کوئی ذریعہ تھا اور نہ یہ ماننے کی کوئی وجہ تھی کہ یہ کتاب خدا کی کتاب ہے۔

اب یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ جو حکم رسول نے دیا ہو اور جس طریقے پر رسول نے خود عمل کیا اور اہل ایمان کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی ہو، اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کا حکم قرآن میں ہو تو ہم مانیں گے ورنہ پیروی سے انکار کر دیں گے؛ اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ خدا کی کتاب تو واجب الاتباع ہے مگر خدا کا رسول واجب الاتباع نہیں ہے!

یہ بات حقیقت کے خلاف بھی ہے اور سخت فتنہ انگیز بھی۔

حقیقت کے خلاف یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ محض ایک ڈاکیہ بنا کر نہیں بھیجا تھا کہ آپ کا کام اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دینے کے بعد ختم ہو جائے اور اس کے بعد بندے اللہ میاں کے نامہ گرامی کو لیکر جس طرح ان کی سمجھ میں آئے اس کی تعمیل کرتے رہیں۔ خود قرآن کی رو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی نوعیت کفار کے لیے الگ اور اہل ایمان کے لیے الگ ہے۔

کفار کے لیے آپ بے شک صرف مبلغ اور داعی الی اللہ ہیں۔ مگر جو لوگ ایمان لے آئیں ان کے لیے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مکمل نمائندے ہیں۔ آپ کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ۔ آپ کے اتباع کے سوا اللہ کی خوشنودی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ اللہ نے آپ کو اپنی طرف سے معلم، مربی، رہنما، قاضی، آمر و ناہی اور حاکم مطلع، سب کچھ بنا کر مامور فرمایا تھا۔ آپ کا کام یہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے عقیدہ و فکر، مذہب و اخلاق، تمدن و تہذیب، معیشت و سیاست، غرض زندگی کے ہر گوشے کے لیے وہ اصول، طریقے اور ضابطے مقرر کریں جو اللہ کی پسند کے مطابق ہوں۔ اور مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے سکھایا اور مقرر کیا ہے اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ رسول اللہ جو حکم دیں اس پر ان سے مندرجہ طلب کرے۔ رسول کی فات خود سند ہے۔ اس کا حکم بجائے خود قانون ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی

مسلمان یہ سوال کرتے کا مجاز نہیں ہے کہ جو حکم رسول نے دیا ہے اس کا حوالہ قرآن میں ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی ہدایت خواہ اپنی کتاب کے ذریعہ سے دے یا اپنے رسول کے ذریعہ سے، سند اور وزن کے اعتبار سے دونوں بالکل یکساں ہیں اور قانون الہی ہونے میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

بالکل غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فیصلوں اور ہدایات کی قانونی حیثیت صرف اپنے عہد کے رئیس مملکت (HEAD OF THE STATE) ہونے کی بنا پر تھی یعنی جب آپ رئیس مملکت تھے اس وقت آپ کی اطاعت واجب تھی اور اب جو رئیس مملکت یا مرکز ملت ہوگا اس کی اطاعت اب واجب ہوگی۔ یہ رسالت کا بدترین تصور ہے جو کسی شخص کے ذہن میں آسکتا ہے۔ اسلامی تصور رسالت سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ رئیس مملکت کے منصب کو آخر رسول کے منصب سے کیا نسبت ہے۔ اس کو عام مسلمان منتخب کرتے اور وہی معزول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ حالانکہ رسول کو خدا مقرر کرتا ہے اور خدا کے سوا کسی کو اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں۔ رئیس مملکت جس علاقے کا رئیس ہو اور جب تک اس منصب پر رہے صرف اسی علاقے میں اسی وقت تک اس کو رئیس ماننا واجب ہے اور پھر بھی اس پر ایمان لانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اسے نہ مانے تو ملت اسلام سے خارج ہو جائے۔ حالانکہ رسول جس آن مبعوث ہوا اس وقت سے قیامت تک دنیا میں کوئی شخص اس پر ایمان لائے بغیر ملت اسلامیہ کافر و نہیں بن سکتا۔ رئیس مملکت کو آپ دل میں بُرا جان سکتے ہیں، اس کو بر ملا بُرا کہہ سکتے ہیں، اس کے قول و فعل کو علانیہ غلط کہہ سکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن رسول کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرنا تو درکنار اس کا خیال بھی اگر دل میں آجائے تو ایمان سلب ہو جائے۔ رئیس مملکت کے حکم کو ماننے سے آپ صاف انکار کر سکتے ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ بس ایک جرم ہوگا۔ مگر رسول کے حکم کو اگر یہ جاننے کے بعد کہ وہ رسول

کا حکم ہے۔ آپ مانتے سے انکار کر دیں تو قطعی خارج از اسلام ہو جائیں۔ اس کے حکم پر تو آپ چون و چرا تک نہیں کر سکتے، بلکہ اس کے خلاف دل میں کوئی تنگی تک محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ رئیس مملکت عوام کا نمائندہ ہے اور رسول خدا کا نمائندہ۔ رئیس مملکت کی زبان قانون نہیں ہے، بلکہ الٹا قانون اس کی زبان پر حاکم ہے۔ مگر رسول خدا کی زبان قانون ہے، کیونکہ خدا اسی زبان سے اپنا قانون بیان کرتا ہے۔ اب یہ کیسا سخت طغیان جاہلیت ہے کہ رسول کو محض ایک علاتے اور زمانے کے رئیس مملکت کی حیثیت دے کر کہا جائے کہ اس کے دیئے ہوئے احکام اور ہدایات میں اسی زمانے اور علاتے کے لوگوں کے لیے واجب الاتباع تھے، آج ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

یہ تو ہے حقیقت کے خلاف اس تصور کی بغاوت۔ اب ذرا اس کی فتنہ انگیزی کا اندازہ کیجیے۔ آج جس چیز کو آپ اسلامی نظام حیات اور اسلامی تہذیب و تمدن کہتے ہیں، جس کے اصولوں اور عملی مظاہر کی یکسانی نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک ملت بنا رکھا ہے، جس کی ایک رنگی نے مسلم کو مسلم سے جوڑا اور کافر سے توڑا ہے، جس کی امتیازی خصوصیات نے مسلمانوں کو ساری دنیا میں غیر مسلموں سے ممتاز کیا اور سب سے الگ ایک مستقل امت بنایا ہے، اس کا تجزیہ کر کے آپ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس کا کم از کم ۹ حصہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقتدارِ ربانی سے مسلمانوں میں رائج کیا ہے اور مشکل! حصہ ایسا ہے جس کی سند قرآن میں ملتی ہے۔ پھر اس! کا حال بھی یہ ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد کی وہ صورت شریعت واجب الاتباع نہ ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے تو دنیا میں مختلف مسلمان۔ افراد بھی اور گروہ بھی اور ریاستیں بھی۔ اس پر عمل درآمد کی اتنی مختلف تہذیبیں تجویز کر لیں کہ ان کے درمیان کوئی وحدت و یکسانی باقی نہ رہے۔ اب خود اندازہ کر لیجیے کہ اگر وہ سب کچھ ساقط کر دیا جائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رواج دینے سے مسلمانوں میں رائج ہے، تو اسلام میں باقی کیا رہ جائے گا جسے ہم اسلامی تہذیب و تمدن کہہ سکیں اور جس پر دنیا بھر کے مسلمان مجتمع رہ سکیں۔

مثال کے طور پر دیکھیے۔ یہ اذان جو دنیا بھر میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں ملی شعار ہے، جسے روٹے زمین کے ہر گوشے میں ہر روز پانچ وقت مسلم اور کافر سب سنتے ہیں، اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مقرر اور رائج کیا ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی حکم نہیں۔ نہ وہ اس کے الفاظ بتاتا ہے نہ یہ حکم دیتا ہے کہ روزانہ پانچ وقت نمازوں سے پہلے یہ پکار بلند کی جائے۔ اس میں ایک جگہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ إِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ۔ جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے روز تو دوڑو اللہ کی یاد کی طرف یہ ظاہر ہے کہ یہ پکار سن کر دوڑنے کا حکم ہے، خود اس پکار کا حکم نہیں ہے۔ دوسری جگہ اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ إِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخِذُوا هَذَا وَقْعَتَكُمْ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخِذُوا هَذَا وَقْعَتَكُمْ۔ یہ سب سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ صرف ایک رائج شدہ چیز کا مذاق اڑانے پر اہل کتاب کی مذمت کی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ اختیار اقتدار جس نے اس اذان کے الفاظ مقرر کیے اور اسے مسلمانوں میں رواج دیا، دائمی اور عالمگیر نہ ہو مقرر کرنے کا مجاز نہ ہوتا تو کیا صرف ان دو آیتوں کی بنیاد پر آج دنیا میں آپ اذان کی آواز کہیں سن سکتے تھے؟

خود یہ نماز باجماعت جس کے لیے اذان دی جاتی ہے، اور یہ نماز جمعہ جس کی پکار سن کر دوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ عیدین کی نمازیں جو ہزار ہا مسلمانوں کو اکٹھا کرتی ہیں، اور یہ مسجدیں جو دنیا بھر میں مسلم معاشرے کی اجتماعی زندگی کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہو۔ قرآن صرف نماز کا حکم دیتا ہے، باقاعدہ نماز باجماعت ادا کرنے کا کوئی حکم نہیں دیتا۔ جمعہ کی نماز کے لیے وہ صرف یہ کہتا ہے کہ جب اس کے لیے پکارا جائے تو دوڑو۔ اسے خود نماز جمعہ قائم کرنے کا حکم مشکل ہی سے کہا جاسکتا ہے۔ عیدین کی نمازوں کا تو سر سے اس میں کوئی ذکر ہی نہیں۔ یہی مسجدیں تو ان کے

احترام کا حکم ضرور قرآن میں دیا گیا ہے مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ اے مسلمانو تم اپنی ہرستی میں مسجد تعمیر کرو اور اس میں ہمیشہ نماز یا جماعت قائم کرنے کا اہتمام کرو۔ یہ ساری چیزیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس اختیار و اقتدار کی بنا پر جس کے ساتھ اللہ نے آپ کو شائع مقرر کیا تھا، مسلمانوں میں رائج کی ہیں۔ اگر یہ اختیار و اقتدار مسلم نہ ہوتا تو اسلام کے یہ نمایاں ترین شعائر جن کا مسلمانوں کو مجتمع کرنے اور ایک ایک رنگ امت بنانے اور اسلامی تہذیب کی صورت گری کرنے میں سب سے زیادہ حصہ ہے، کبھی قائم نہ ہوتے اور مسلمان آج مسیحیوں سے بھی زیادہ منتشر و پراگندہ ہوتے۔ یہ صرف سامنے کی چند مثالیں ہیں۔ ورنہ تفصیل کے ساتھ دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک کتاب ہی ملی ہوتی اور اس کے ساتھ اللہ کے رسولؐ نے آرا فراہمی زندگی سے لیکر خاندان، معاشرے اور ریاست تک کے معاملات میں ہمارے لیے تہذیب کی ایک متعین صورت نہ بنا دی ہوتی تو آج ہم ایک ممتاز عالمگیر ملت واحدہ کی حیثیت سے موجود نہ ہوتے۔ اب جو شخص اس رسالت کی شرعی حیثیت اور اس کی قانونی سند کو چیلنج کرتا ہے اس کے اس چیلنج کی زد ایک قربانی کے مسئلے یا دو چار منفرد مسکوں پر نہیں پڑتی، بلکہ اسلامی تہذیب کے پورے نظام اور ملت اسلامیہ کی اساس و بنیاد پر پڑتی ہے۔ جیت تک ہم بالکل خودکشی پر آمادہ نہ ہو جائیں ہمارے لیے کسی کی یہ بات ماننا محال ہے کہ جس چیز کی سند قرآن میں ملے بس وہی باقی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند پر جتنی چیزوں کا مدار ہے وہ سب ساقط کر دی جائیں۔

اعترض کی اس غلط بنیاد اور اس کے خطرناک نتائج کو سمجھ لینے کے بعد اب بجائے خود اس مسئلے کو دیکھیے جس پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔ قربانی کے متعلق یہ کہنا کہ قرآن میں سرے سے اس کا کوئی حکم ہی نہیں ہے، خلاف واقعہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن وہ اصولی حقائق بیان کرتا ہے جن کی بنا پر انسان کو اللہ تعالیٰ کے لیے جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے، اور پھر اس کا

ایک عام حکم دے کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس حکم پر عمل درآمد کیسے کیا جائے، اس کی کوئی تصریح وہ نہیں کرتا۔ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آپ اسی خدا کی ہدایت کے تحت جس نے قرآن آپ پر نازل کیا تھا، اس کی عملی صورت، اس کا وقت، اس کی جگہ اور اس کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ مسلمانوں کو بتائیں اور خود اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ یہ کام تھا ایک قرآنی کے متعلق ہی نہیں، قرآن کے دوسرے احکام کے متعلق بھی حضور نے کیا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، وراثت، غرض مسلم معاشرے کے مذہب اور تمدن و معاشرت اور معیشت و سیاست اور قانون و عدالت اور صلح و جنگ کے تمام معاملات میں یہی کچھ ہوا ہے کہ قرآن نے کسی کے بارے میں مختصر اور کسی کے بارے میں کچھ تفصیل کے ساتھ احکام دیئے، یا صرف اشارۃ اللہ تعالیٰ کی مرضی بیان کر دی، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی جامہ پہنانے کی صورتیں واضح حدود کے ساتھ متعین فرمائیں، ان پر خود کام کر کے دکھایا، اور اپنی رہنمائی میں ان کو رائج کیا۔ کوئی صاحب عقل آدمی اس میں شک نہیں کر سکتا کہ کتابی رہنمائی کے ساتھ یہ عملی رہنمائی بھی انسانوں کو درکار تھی، اور اس رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول کے سوا کوئی دوسرا نہ موزوں ہو سکتا تھا نہ مجاز۔

قرآن میں اس مسئلے کے متعلق جو اصولی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) عبادت کی تمام وہ صورتیں جو انسان نے غیر اللہ کے لیے اختیار کی ہیں، دینِ حق میں وہ سب غیر اللہ کے لیے حرام اور خالصتہ اللہ تعالیٰ کے لیے واجب کر دی گئیں۔ مثلاً انسان غیر اللہ کے آگے جھکتا اور سجدے کرتا تھا۔ دینِ حق نے اسے اللہ کے لیے مخصوص کر دیا اور اس کے لیے نماز کی صورت مقرر کر دی۔ انسان غیر اللہ کے سامنے مالی نذرانے پیش کرتا تھا۔ دینِ حق نے اسے اللہ کے لیے خاص کر دیا اور اس کی عملی صورت زکوٰۃ مقرر کر دی۔ انسان غیر اللہ کے نام پر روزے رکھتا تھا۔ دینِ حق نے اسے بھی اللہ کے لیے مختص کر دیا باقی صلوٰۃ پر

(حقیقہ اشارات)

اور اس غرض کے لیے رمضان کے روزے فرض کر دیے۔ انسان غیر اللہ کے لیے تیر تھوہیا ترا کرنا اور استخوانوں کے طواف کرنا تھا۔ دین حق نے اس کے لیے ایک بیت اللہ بنایا اور اس کا حج اور طواف فرض کر دیا۔ اسی طرح انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک غیر اللہ کے لیے قربانی کرتا رہا ہے۔ دین حق نے اسے بھی غیر اللہ کے لیے حرام کر دیا اور حکم دیا کہ یہ چیز بھی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ چنانچہ دیکھیے، ایک طرف قرآن مجید مَا أَهَلَّ لِعِبَادِ اللَّهِ بِهِ رَجَسٌ غَيْرَ اللَّهِ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور مَا ذُرِيعٌ عَلَى النَّصَبِ (جسے استخوانوں پر ذبح کیا گیا ہو) کو قطعی حرام قرار دیتا ہے اور دوسری طرف حکم دیتا ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ؛ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھ اور اسی کے لیے قربانی کر۔

(۲) انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں بھی عطا فرمائی ہیں ان سب کا شکر یہ اس پر واجب ہے اور یہ شکر یہ ہر نعمت کے لئے قربانی اور نذرانہ کی شکل میں ہونا چاہیے۔ ذہن اور نفس کے عطیے کا شکر یہ اسی شکل میں ادا ہو سکتا ہے کہ آدمی ایمان و طاعت کی راہ اختیار کرے۔ جسم اور اس کی طاقتوں کا عطیہ یہی شکر یہ چاہتا ہے کہ آدمی نماز اور روزے کی شکل میں اسے ادا کرے۔ مال کے عطیے کا شکر یہ زکوٰۃ ہی کی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے، اور زکوٰۃ بھی اس طرح کہ سیم وزر کی زکوٰۃ اسی سیم وزر سے زرعی پیداوار کی زکوٰۃ اسی پیداوار میں سے اور مویشی کی زکوٰۃ انہی مویشی میں سے نکالی جائے۔ اسی طرح اپنے پیدا کیے ہوئے جانوروں پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قدرت بخشی ہے اور ان سے طرح طرح کے بے شمار فائدے اٹھانے کا جو موقع اس نے دیا ہے، اس کے شکر یہ کی بھی یہی صورت ہے کہ انسان ان جانوروں ہی میں سے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کرے۔ چنانچہ سورہ حج میں قربانی کی ہدایت فرماتے کے بعد اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ كَذَلِكَ سَخَّرْنَا هَآلَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ اسی طرح ہم نے ان کو تہہ پہلے مستحق کیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

(۳) انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جو اقتدار اور تصرف کا اختیار بخشا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بالادستی اور اس کی حاکمیت و مالکیت کا اعتراف کرتا رہے تاکہ اسے کبھی یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ سب کچھ میرا ہے اور میں ہی اس کا خود مختار مالک ہوں۔ اس بالائری کے اعتراف کی مختلف شکلیں اللہ کے مختلف عطیوں کے معاملے میں رکھی گئی ہیں۔ جانوروں کے معاملہ میں اس کی شکل یہ ہے کہ انہیں اللہ کے نام پر قربان کیا جائے۔ چنانچہ اسی سوۃ حج میں اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر فرمایا گیا کَذَلِكَ تَحْرَهُمَا لَكُمْ لَتَذَكَّرُوا وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا هَدَيْتُمْ لَكُمْ ۖ اسی طرح اللہ نے ان کو تمہارا لیے مسخر کیا ہے تاکہ تم اس کی بُرائی کا اظہار کرو اس ہدایت پر جو اس نے تمہیں بخشی ۖ

یہی تین وجوہ ہیں جن کی بنا پر قرآن مجید میں بتا ہے کہ ہمیشہ سے تمام شرائع الہیہ میں تمام امتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيُذَكَّرُوا ۖ اِسْمُ اللّٰهِ
 اورد ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا تاکہ
 وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس انہیں بخشے ہیں
 اورد یہ طریقہ جس طرح دوسری امتوں کے لیے تھا اسی طرح شریعتِ محمدی میں امتِ محمدی علیہ
 وسلم کے لیے بھی مقرر کیا گیا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي
 اِنَّ رَبَّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ اُحْيَتُ
 وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام، رکوع ۲۰)

اے محمد! کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی
 اور میری موت صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا
 کوئی شریک نہیں، اور اسی چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور
 سب سے پہلے میں سرِ اطاعت جھکانے والا ہوں۔
 پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھا اور قربانی کر۔
 یہ حکم عام تھا جو قربانی کے لیے قرآن میں دیا گیا۔ اس میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ قربانی کب کی جائے، کہاں کی
 جائے، کس پر یہ واجب ہے، اور اس حکم پر عمل درآمد کرنے کی دوسری تفصیلات کیا ہیں۔ ان چیزوں کو بیان کرنے اور ان پر عمل
 کر کے تباہی کا کام اللہ نے اپنے رسول پر چھوڑ دیا کیونکہ رسول اس نے بلا ضرورت نہیں بھیجا تھا۔ کتا کے ساتھ رسول بھیجنے
 کی غرض یہی تھی کہ وہ لوگوں کو کتاب کے مقصد و منشا کے مطابق کام کرنا سکھائے۔